جناب پروفیسر غلام نبی عارف

تعزیتی مکتوب

مولانا محمد اسحاق چیمہ ہم سے رخصت کیا ہوئے کہ زندگی بے کیف ہو کر رہ گئی لیکن "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" قدرت کا ایک ایسا اٹل اصول ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں ــــــ ویسے بھی رب کے پیارے، رب کی ملاقات کے شوق میں موت کو چوم کر گلے سے لگا لیتے ہیں۔ حضرت خبیبؓ نے تختہ دار پر پہنچ کر وجد آفرین اشعار کہے، ابن تیمیہؒ کہا کرتے تھے کہ جنت تو میرے پہلو میں ہے اور وہ ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہے۔ سید قطب نے گلے میں موت کے پھندے کے وقت دنیا والوں کو اپنی مسکراہٹ سے نوازا، اور مولانا محمد اسحاق چیمہ نے موت کی آمد پر آیاتِ قرآنی کی تلاوت کی ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لبِ روست

مولانا اسحاق چیمہ نے منزل کے عشق میں بھرپور زندگی گزاری اور قطع مسافت میں کبھی ستانے کی نہ سوچی ــــــ علم کے مراحل بھی شوق سے طے کیے اور عمل کی وادیوں میں قدم رکھا تو چمن پر بہار آ گئی۔

جماعت میں مرکزی دانش گاہ کا تصور پیدا ہوا تو چیمہ نے اس کو حقیقت میں بدل دیا۔ یہی وہ منزلِ عشق تھی جس سے ان کو لگاؤ تھا۔ دانش گاہ سلفیہ کے لیے اراضی کے حصول میں بھرپور حصہ لیا اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے، پھر اس دانش گاہ کی تعمیر و ترقی میں دن رات ایک کر دیے۔ گھر سے نکلے تو یہی تصور سامانِ سفر بنا کر نکلے کہ جامعہ میں چلتا ہوں جب جماعت کی تنظیم وجود میں آئی تو یہ اس کی پہلی مجلس عاملہ کے رکن تھے اور دمِ واپسیں تک اسی شجرِ حیات سے وابستہ و پیوستہ رہے ــــــ تحریکی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے اور ایثار و قربانی کے واقعات تو ان کی ذات سے مسلسل ظہور پذیر ہوتے رہے۔

ماموں کا انجمن کی سالانہ کانفرنس کے موقع پر ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا اور اس وقت وہ بڑے ہشاش بشاش نظر آتے۔ حضرت صوفی صاحب سے ان کو والہانہ لگاؤ تھا، بلکہ یوں کہیے کہ وہ صوفی کے باغ کے گلِ رعنا تھے۔ صوفی صاحب حج بیت اللہ کے لیے گئے تو چیمہ صاحب بطورِ خادم ان کے ساتھ تھے، اور ظاہر ہے کہ انہوں نے اس سفر میں صوفی صاحب کی دل و جان سے خدمت کی ہوگی۔ حرمِ کعبہ میں اس وقت موجود حضرت حافظ فتحی صاحب نے بھی ان کی بڑی خاطر داری کی، حتیٰ کہ مرکزِ حرم میں وہ مسلمانانِ عالم کے لیے مرکزی مقام حاصل کر چکے تھے۔

صوفی صاحب نے فنائے نفس کی منزلیں اپنی زندگی میں بڑی کامیابی سے طے کر لی تھیں چنانچہ "اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ" سے بہت دور اور "نفسِ مطمئنہ" کی دولت سے معمور تھے۔ میں نے صوفی صاحب کو کبھی گھبراہٹ کے عالم میں نہ دیکھا، مشکلات پر ہنسنا اور خطرناک حالات پر پھبتی کسنا ان کی قلندرانہ شان کی اک ادا تھی۔ بھلا ایسی ہستی سے چیمہ صاحب کو محبت و موانست کیوں نہ ہوتی؛ چنانچہ جامعہ تعلیم الاسلام کی تعمیر و ترقی میں جہاں صوفی صاحب کی بے لوث، پرخلوص کوششوں اور ریاضتوں کو دخل ہے، وہاں مرحوم چیمہ صاحب کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

ایک عہد:

راقم الحروف ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۵ء میں بستی اوڈانوالہ میں تحصیلِ علم کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اپنی سرگرمیاں زیادہ تر نصابی کتب تک محدود رکھتا اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بہت کم حصہ لیتا تھا۔ تاہم طلباء کے ہفتہ وار تقریری اجلاس ہوتے تو ان میں تقریر کرتا اور یا پھر فوجی تربیت میں حصہ لیتا ______ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ نواحی بستیوں میں جمعہ کے دن دیگر طلباء کے علاوہ مجھے بھی تقریر کے لیے بھیجا جاتا، اور ان بستیوں کے لوگوں کے لیے ہمارا عقیدہ و مسلک اس لیے باعثِ پریشانی نہ ہوتا کہ وہ ہمیں صوفی صاحب کے درویش کے طور پر جانتے تھے۔ چنانچہ کسی بھی بستی میں نہ صرف ہمیں تقریر سے روکا نہ جاتا بلکہ صوفی صاحب کی وجہ سے ان لوگوں کے درمیان ہمیں بھی کچھ احترام حاصل تھا۔ اس طرح ہم صوفی صاحب کے زیرِ تربیت پروان چڑھتے اور تحصیلِ علم کی منزلوں سے گزرتے رہے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب میں مدرسہ اوڈانوالہ میں اکثر و بیشتر ایک پر وقار، خوش لباس

اور وضعدار شخصیت کی آمدورفت کو دیکھتا۔ ایک دفعہ دریافت کرنے پر طلباء نے مجھے بتایا کہ ان کا نام مولانا محمد اسحاق ہے جو یہاں شیخ الحدیث کے طور پر تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں اور آج کل عمارتی لکڑی کی خرید وفروخت کا کام کرتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے نوٹ کیا کہ آپ سال میں کئی مرتبہ اوڈانوالہ میں عالمانہ شان وشوکت کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ چیمہ صاحب زیادہ تر وقت صوفی صاحب کے ساتھ گزارتے اور یا پھر مولانا عبدالقادر ندوی کے پاس بیٹھتے۔ سوچتا کہ شاید صوفی صاحب سے ان کا کوئی کاروباری تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں جامعہ میں ان کی آمد کو ایک سرسری نظر سے دیکھتا تھا ——— ویسے بھی مجھ ایسا ایک کتابی کیڑا دورانِ تعلیم کسی دوسری جانب کیسے متوجہ ہو سکتا تھا؟ ——— بقولِ اقبال ؎

شنیدم شبے در کتب خانۂ من — بہ پروانہ می گفت کرمِ کتابی
با وراقِ سینا نشیمن گرفتم — بسے دیدم از نسخۂ فاریابی
نہ فہمیدہ ام حکمتِ زندگی را — ہمہ تیرہ روزم زبے آفتابی
نکو گفت پروانۂ نیم سوزے — کہ ایں نکتہ را در کتابے نیابی
تپش می کند زندہ تر زندگی را — تپش می دہد بال وپر زندگی را

ہاں بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ تدریسی خدمات سے سبکدوش ہو جانے کے باوجود جامعہ میں چیمہ صاحب کی اکثر وبیشتر آمدورفت حضرت صوفی صاحب سے ان کے علمی، قلبی تعلق اور ان کے مشن سے گہرے لگاؤ کا نتیجہ تھی۔

۱۹۵۵ء میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام، لاہور کی عمارت میں جامعہ سلفیہ کا آغاز ہوا۔ جامعہ کے عہدِ طفولیت کا ایک سال اسی عمارت میں گزرا۔ میں جامعہ کا طالب علم تھا، اس دوران بھی میں دیکھتا کہ مولانا محمد اسحاق چیمہ شیش محل روڈ لاہور تشریف لاتے اور جامعہ کے اجلاسوں میں شرکت کرتے۔ یہ جامعہ سلفیہ کا عبوری دور تھا۔ دوسرے سال جماعت نے اس ننھے سے پودے کو اٹھایا اور جامع مسجد اہل حدیث امین پور بازار فیصل آباد میں جا لگایا۔ میں بھی وہاں چلا گیا۔ ابتداء میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے اسے بڑی مشکل پیش آئی ——— یہ کئی بحرانوں سے دوچار ہوا اور بادِ صرصر کے تند وتیز جھونکے بار بار اس سے الجھتے رہے، تاہم اکابرِ جماعت نے جس للّٰہیت اور خلوص سے اس کی آبیاری کی تھی، یہ بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبول ورضا اور اعزازِ بقائے دوام سے مشرف ومعزز ہو چکا تھا۔ ائمہ علم وفن کا ایک پاکیزہ گروہ تھا، جس نے

پوری محنت اور لگن کے ساتھ اس پر اپنے معارف و افکار کی جھڑی لگائے رکھی اور اسے مرجھانے نہ دیا۔ امامِ حدیث حضرت حافظ محمد گوندلویؒ مولانا شریف اللہ خاں اور مولانا محمد عبدہٗ جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں تھیں، جنہوں نے اس کی آبیاری کی۔ مولانا شریف اللہ خاں تو رات مسجد کی چٹائی پر سو جاتے اور صبح اُٹھ کر پڑھانا شروع کر دیتے۔ اس راہ میں ان لوگوں نے بڑی مشقتیں اٹھائیں، جنہیں قدرت نے شرفِ قبولیت سے نوازا تو اب جامعہ سلفیہ ترقی کی بہت سی منازل طے کر چکا ہے اور مزید بلندیوں پر جانے کے لیے رات دن مصروفِ کار ہے۔ اس جامعہ کی تعمیر و ترقی میں بھی مولانا محمد اسحاق چیمہ کی کوششوں اور محنتوں کو بڑا عمل دخل رہا ہے اور اس کی آبیاری میں ان کا پسینہ بھی شامل ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، جامعہ ابتدا میں ناخوشگوار حالات سے دو چار رہا اور ان دنوں چیمہ صاحب کی بے قراری بھی قابلِ دید ہوتی۔ اس دوران اکثر ایسا ہوتا کہ چیمہ صاحب میرے پاس بیٹھ کر ایسی دلنواز باتیں کرتے کہ طبیعت کا انقباض کافور ہو جاتا اور مسرت و انشراح کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ اب چیمہ صاحب اور میں محبت کے ایک ایسے مضبوط رشتے میں بندھ چکے تھے، جس کا انقطاع ایک امرِ محال تھا۔ بعد میں جماعت اہلِ حدیث کے اجلاسوں، کانفرنسوں اور جلسوں میں میری اکثر ان سے ملاقات ہو جاتی، بڑے تپاک سے ملتے اور خوشی محسوس کرتے۔ کبھی قدرے فاصلے پر ہوتے تو بلند آواز سے پکارتے، غلام نبی! ـــــ آج بھی ان کی آواز کی مٹھاس اور لطافت کو محسوس کر رہا ہوں۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کے جنازہ میں شرکت کے لیے میں جنازگاہ کی طرف موٹر سائیکل پر جا رہا تھا اور چیمہ صاحب بھی ایک گاڑی میں بیٹھے ہوئے اسی طرف جا رہے تھے، اچانک انہوں نے مجھے دیکھا اور اونچی آواز سے پکارا، غلام نبی! میں ہی جانتا ہوں کہ اس توجہ دلانے پر مجھے کیسی لذت محسوس ہوئی اور ان کے دل کی مسرت کا بھی اندازہ لگانا میرے لیے مشکل نہ تھا۔

چیمہ صاحب سے ملاقات ہوئے ایک عرصہ گزر چکا تھا، تاہم میرے لیے اطمینان کی بات یہ تھی کہ جب چاہوں مل سکتا ہوں۔ ـــــ یار زندہ صحبت باقی! ـــــ لیکن اچانک ان کی وفات کی اطلاع ملی تو دل بجھ کر رہ گیا۔ اب ہمارے پاس ان کی یادیں ہیں اور حسنات، تاہم یہ بھی بہت بڑا ترکہ ہے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ان کے لیے دعا کریں، وہ آخرت کی منزلیں بغیر کسی مشکل کے سر کر لیں اور یہ مژدۂ جانفزا سنیں:

"يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ○ وَادْخُلِي جَنَّتِي"

میرے اس یقین میں شک کا کانٹا نہیں ہے کہ مولانا چیمہ صاحب رحمہ اللہ انعاماتِ الہیہ و عطیاتِ ابدیہ حاصل کر چکے ہیں۔

"أَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ"!

تاہم اب ان کی جدائی پر کن کن پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی تلقین کروں؟ سبت سے لوگ محتاجِ تلقین ہیں یعنی ان کے اہلِ خانہ، اہلِ وطن، پوری جماعت اہلِ حدیث، اور خود میں بھی تو محتاجِ تلقینِ صبر ہوں۔ "فَصَبْرٌ جَمِيلٌ" وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ!

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ" آمین!

شعر و ادب

جناب فضل الرحمان فضلؔ

ہوں اختلاف سبھی ختم قومِ مسلم کے
میری دعا تو یہی ہے ہمیشہ ربِّ جلیل!

معاشرے کی خدا جانے کیسے ہو تشکیل
بپا ہے چاروں طرف خوفِ صورِ اسرافیل

ہر ایک دست و گریباں ہے آج آپس میں
نہیں ہے پاس کسی کے بھی حیف کوئی دلیل

امید و بیم سے دو چار اہلِ دانش ہیں
کہ اتفاق و محبت کی ہو کوئی تو سبیل

خدا نے کیسی فضیلت بشر کو بخشی ہے
بنایا ایک کو محبوب دوسرے کو خلیل

کچھ ایسے صاحبِ علم الکلام گذرے ہیں
جو کرتے رہتے تھے قرآں کی غلط تاویل

تمام فاسد اور مبتدع دلائل کو
بزعمِ خویش سمجھتے تھے دین کی تکمیل

خدا کی حکمتوں کو گروہ رکھتے پیشِ نظر
علومِ نافعہ کی ہوتی کچھ انہیں تحصیل

علومِ حق میں وہ ہو جاتے خوب ہی ماہر
نہ کرتے دین کے احکام وہ اگر تبدیل

بگاڑ ڈالا ہے حلیہ ہی دینِ فطرت کا
عوام کون سے احکام کی کریں تعمیل